ڈاکٹر محمد ریاض خاں

اقبالؒ کا تصوّرِ توحید

"توحید" یعنی خدائے واحد کی ذات اور جملہ صفات پر ایمان لانا، تمام انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی دعوتِ دین کا مرکز و محور رہا ہے[1]۔ تاریخِ ادیان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مُرورِ ایّام میں لوگ سرچشمۂ توحید کو گدلا کرتے رہے اور انبیاء کے ذریعے اس کی تطہیر ہوتی رہی، تا اینکہ حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف فرما ہوئے اور آپؐ کو دینی تکمیل کی بشارت ملی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ رحمۃ للعالمینؐ نے دینِ کامل کی رو سے "توحید" کو فکر و عمل کی ایسی تکمیل یافتہ صورت میں جلوہ گر فرمایا کہ اس کی برکات سے اسلام قبول کرنے والے افراد، جن میں سے اکثریت کا ماضی جنگ و جدال سے تاریک تھا، بھائی بھائی بن گئے۔ ان کا شیرازہ اس خوبی سے جمع ہوا کہ "یک جان و ہزار قالب" مثل کا وہ نمونہ قرار دیئے گئے۔ ان فرزندانِ توحید نے چند ہی سالوں میں اتنی بڑی سلطنت قائم کر لی جس کی وسعت اُس سلطنتِ روم سے کہیں زیادہ تھی جسے عظمیٰ و کبریٰ کا لقب حاصل کرنے میں تیرہ سو سال لگے تھے۔ توحید پرست صحرانشینوں نے جادۂ ہزار سالہ کو چند برس میں طے کر لیا اور انصار و مہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخاۃ کے پردے

ا۔ در جہانِ کیف و کم گردید عقل ... پی بہ منزل برد از توحید عقل!
ورنہ ایں بیچارہ را منزل کجاست؟ ... کشتیِ ادراک را ساحل کجاست؟

۲۔ اہلِ حق را رمزِ توحید از بر است ... در "اتی الرحمٰن عبداً" مضمر است
تا ز اسرارِ تو بنماید ترا ... امتحانش از عمل باید ترا

میں توحید کی معنوی خوبیوں کو نمایاں کیا۔شمس العلماء نعمانیؒ رقمطراز ہیں: ''مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا کہ بے خانماں مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے، لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراضِ اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔'' (سیرت النبیؐ جلد اوّل ص ۲۸۹)۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کا تصورِ توحید مسلمانوں کے درمیان ایسی ہی مفاہمت اور یگانگت کے رشتے مستحکم رکھنے کا محرک ہے۔آپ نے توحید کے ایمان افزاء، ائتلافی، اتحادی اور استحکامی پہلوؤں پر غیر معمولی زور دیا ہے۔

موضوعِ زیرِ بحث پر علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنے ایک مضمون ''ڈاکٹر اقبالؒ کا علمِ کلام'' میں لکھا ہے: ''یہ زمانہ ایک نئے تمدن و تہذیب کی ترقی کا زمانہ ہے اور اس زمانے میں سائنس کو جو مقبولیت حاصل ہے، اس کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ وہ نہایت آسانی سے ہوا کو پانی اور پانی کو ہوا بنا دیتی ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج دنیا کی تمام کل سائنس ہی کی بدولت چل رہی ہے۔ ڈاکٹر اقبال کی شاعری نے اسی تمدن، اسی تہذیب اور اسی فضا میں پرورش پائی۔اس لیے انہوں نے اسلامی عقائد کا اثبات زیادہ تر ان کے عملی نتائج سے کیا ہے اور خودی کے فلسفے سے، جو ان کا مخصوص و محبوب[۱] فلسفہ ہے، انہوں نے مسائل کی تشریح و اثبات میں بھی کام لیا ہے۔اس لیے ان کا طرزِ بیان، قدیم علمائے کلام اور قدیم متکلمین یا صوفی شعراء کے بیان سے زیادہ اس زمانے کے رجحان و مذاق کے مطابق ہے مثلاً توحید، نظری حیثیت سے توحیدِ باری کا مفہوم اس سے زیادہ نہیں کہ صرف ایک خدا کے وجود پر اعتقاد رکھا جائے، لیکن عملی حیثیت سے جب تک توحید کے ماننے والوں میں عملی اتحاد نہ ہو، محض یہ اعتقاد ناکافی ہے اور اس سے کوئی متحدہ تہذیب، متحدہ تمدن، متحدہ معاشرہ اور متحدہ نظامِ اخلاق پیدا نہیں ہو سکتا ۔۔۔۔ اقبالؒ نے توحیدِ باری کی بنیاد، اسی اتحاد پر رکھی اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام نے توحید پر جو غیر معمولی زور دیا ہے، اس کا مقصد مسلمانوں میں اتحادِ عمل پیدا کرنا تھا۔اس حیثیت سے انہوں نے توحید کے متعلق فقہاء اور متکلمین دونوں کے بیان فرمودہ ظاہری مطالب پر اعتراض کیا ہے کہ ؎

---

[۱] زبورِ عجم (ص ۲۰۵) میں فرمایا ؎

مرا ''ذوقِ خودی'' چوں انگبین است   چہ گویم، وارداتِ من ہمین است

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی — آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلۂ علمِ کلام"
روشن اس ضو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو — خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
مَیں نے اے میرِ سپہ! تیری سپہ دیکھی ہے — قُل ھو اللّٰہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس راز سے واقف ہے نہ مُلّا نہ فقیہ — وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام[۵]

ان اشعار سے معلوم ہوا کہ توحید، وحدتِ افکار اور وحدتِ کردار کے مجموعے کا نام ہے۔ مکّی زندگی میں رسولِ پاک صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے توحید کی جو تعلیم دی، اس کا تعلق صرف وحدتِ افکار سے تھا، لیکن اس تعلیم نے جب ایک چھوٹی سی متحد الخیال جماعت پیدا کر دی اور آپ نے مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کی تو یہیں فرائض و احکام کے متعلق آیتیں نازل ہوئیں اور وحدتِ کردار کا دَور شروع ہوا۔ اسی وحدتِ کردار سے مسلمانوں کی عملی زندگی شروع ہوئی اور انھوں نے مشرکینِ عرب، نصاریٔ روم، یہودیانِ خیبر اور دیگر مخالفین کی طاقت کو پاش پاش کر کے اپنا ایک متحدہ نظامِ سلطنت قائم کر لیا اور ایک زندہ قوم بن گئے۔ غرض اقبالؒ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ؎

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی — آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلۂ علمِ کلام[۶] ... انتہی بلفظہٖ

ہم نے سیّد مغفور کے صائب اقتباس کو نقل کر دیا۔ آپ نے اقبال کے نبوّت، ہجرت اور تقدیر کے بارے میں کلامی مبحث کو بھی نمایاں فرمایا ہے اور توحید کے بارے میں منقولہ اقتباس سے ان مباحث کی رسائی واضح ہے۔

<u>وحدتِ فکر و عمل</u> | اقبال کا تصوّرِ توحید، وحدتِ فکر و عمل کا مؤیّد ہے۔ موحّدینِ واقعی کے نزدیک ان کے ہم عقیدہ افراد کے درمیان تمام لونی، نسلی، طبقاتی اور گروہی امتیازات بے معنی اور لاحاصل ہیں۔ موحّدین کے درمیان جغرافیائی حدود عارضی ہیں۔ زبان و رنگ کے تفاوت بے شک آیاتِ خداوندی[۷] میں سے ہیں، مگر یہ امور وحدتِ افکار میں مانع نہیں: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا[۸] کا خطاب جملہ توحید پرستوں کی خاطر ہے۔ جون ۱۹۱۲ء میں اقبال نے "مسلم" کے عنوان سے ایک نظم

---

۵ ضربِ کلیم صفحہ ۱۸ ۶ مقالات یومِ اقبال، فروری ۱۹۴۸ء، لاہور بحوالہ ترجمان خودی مرتبہ سید محمد عبدالرشید فاضل، کراچی ۱۹۵۶ء ص ۱۳۲-۱۳۴ ۷ قرآن مجید ۳۰: ۲۲ ۸ ایضاً ۳: ۱۰۳

لکھی اور اپنے ایک مایوس و شاکی دوست سے فرمایا:

ہم نشیں مسلم ہوں میں، توحید کا حامل ہوں میں　　اس صداقت پر ازل سے شاہدِ عادل ہوں میں
نبضِ موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے　　اور مُسلم کے تخیّل میں جسارت اس سے ہے
حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا　　اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا
قسمتِ عالم کا مسلم کوکبِ تابندہ ہے [9]　　جس کی تابانی سے افسونِ سحر شرمندہ ہے
آشکارا ہیں مری آنکھوں پہ اسرارِ حیات　　کہہ نہیں سکتے مجھے نومیدِ پیکارِ حیات [10]

"نومیدی" اور "توحید" باہم سازگار نہیں۔ توحید کا تقاضا ہے کہ مومن واقعی "خوف و حزن" سے محفوظ [11] اور ذاتِ مطلق کے حضور ہی سجدہ ریز ہو ۔

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں　　اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے　　ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات [12]

اقبالؒ نے توحید کی حرّیت زا برکات پر کافی لکھا ہے۔ "نکتۂ توحید" کے زیرِ عنوان تعریضی انداز میں فرماتے ہیں ؎

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے　　ترے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیے
سرُورِ جو حق و باطل کی کارزار میں ہے　　تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندۂ حُر کے مشاہدات ہیں کیا　　تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے [13]

مگر ان برکات سے مستفیض ہونے کی یہ صورت ہے کہ پیروانِ توحید فکر و عمل کے اتحاد و ائتلاف سے بہرہ مند ہوں اور اپنے آپ کو ملّتِ واحد و متحد کی صورت میں جلوہ گر کریں ؎

ملّتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ　　سازِ ما را پردہ گرداں لا الٰہ

---

[9] اسرار و رموز (ص ۱۰۸) میں ہے ؎

از رضا مُسلم مثالِ کوکب است　　در رہِ ہستی تبسّم برلب است

[10] بانگِ درا، صفحہ ۲۱۷　　[11] مُستفاد از قرآن مجید، ۴۶ : ۱۳۔

[12] اور [13] ضربِ کلیم صفحات بالترتیب ۳۲، ۵۰

لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما — رشتہ‌اش شیرازۂ افکارِ ما
اسود از توحید احمر می‌شود — خویشِ فاروقؓ و ابوذرؓ می‌شود
ملت از یک رنگیِ دلہاستی — روشن از یک جلوہ این سیناستی
ما مسلمانیم و اولادِ خلیلؑ — از ابیکم[14] گیر اگر خواہی دلیل
با وطن وابستہ تقدیرِ امم؟ — بر نسب بنیادِ تعمیرِ امم؟
اصلِ ملت در وطن دیدن کہ چہ؟ — باد و آب و گِل پرستیدن کہ چہ؟
حاضریم و دل بہ غائب بستہ‌ایم — پس ز بندِ این و آن وارستہ‌ایم[15]

توحید کی اتحادی اور قوت افزا صفات کی بنا پر ہی اسلام کے اس نقطۂ ماسکہ کو قرآنِ مجید نے "شجرۂ طیبہ و مثمر" سے تشبیہ دی اور انکارِ توحید کو شجرۂ خبیثہ سے[16]۔ اس تعلیم نے عالمِ انسانیت کو مظاہرِ کائنات کے خوف و ہراس اور ہم نوع انسانوں کی غلامی سے نجات دلا دی۔ "اللہ اکبر" (اللہ تعالیٰ سب سے بزرگ و برتر ہے) خدا کی حاکمیت کا بہت بڑا مظہر اور موحدین کے قلوب کی جلاء کا موجب ہے۔ اقبال فرماتے ہیں ؎

زندگانی نیست تکرارِ نفس — اصلِ او از حیّ و قیّوم است و بس
قربِ جان با آنکہ گفت انی قریب[17] — از حیاتِ جاوداں بردن نصیب
فرد از توحید لاہوتی شود — ملت از توحید جبروتی شود
بایزید و شبلی و بوذر ازوست — امتاں را طغرل و سنجر ازوست
بے تجلی نیست آدم را ثبات — جلوۂ ما فرد و ملت را حیات
ہر دو از توحید می‌گیرد کمال — زندگی ایں را جلال، آں را جمال
ایں سلیمانی است، و آں سلمانی است — آں سراپا فقر و ایں سلطانی است
ملتے چوں می‌شود توحید مست — قوت و جبروت می‌آید بدست

---

[14] مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۵ۙ (۲۲: ۷۸) [15] اسرار و رموز ص ۱۰۵-۱۰۷
[16] ۱۴: ۲۴-۲۵ [17] البقرہ: ۱۸۶۔

اہلِ حق را حجّت و دعویٰ یکے است　　چشمہ ہائے ما جُدا دلہا یکے است
وحدتِ افکار و کردار آفریں　　تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں[۱۸]

"رموزِ بیخودی" میں اقبال نے ایک عنوان یہ قائم کیا ہے کہ یاس، حزن اور خوف جیسے اُمّ الخبائث آدمی کو کسی کام کا نہیں چھوڑتے۔ البتہ توحید ان سب کا ازالہ کر دیتی ہے۔ بطورِ تمہید فرماتے ہیں ؎

مرگ را سامان ز قطعِ آرزوست　　زندگانی محکم از لاتقنطوا ست[۱۹]
ای کہ در زندانِ غم باشی اسیر　　از نبیؐ تعلیم لا تحزن[۲۰] بگیر
قوتِ ایمان حیات افزایدت　　وِرد، لاخوفٌ علیہم[۲۱]، بایدت
چُوں کلیمؑ، سُوئے فرعونے روَد　　قلبِ اُو از "لاتخف"[۲۲] محکم شود
ہر شرّ پنہاں کہ اندر قلبِ تست　　اصلِ اُو بیم است اگر بینی درست

یہاں علّامہ نے خاندانِ مغلیہ کے آخری مقتدر سُلطان، شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۷۰۷ء) کا ایک مؤحدانہ واقعہ نقل فرمایا ہے (جو معاصر تواریخ میں البتہ نہیں ملتا)۔ حضرت عالمگیر جو ان اشعار کا مصداق تھے ؎

در میانِ کارزارِ کفر و دیں　　ترکشِ مارا خدنگِ آخریں
شعلۂ توحید را پروانہ بود　　چُوں براہیمؑ اندریں بُتخانہ بود

ایک دن صبح کاذب سے پہلے ایک خادم کے ساتھ جنگل کی سیر کو نکلے۔ اسی دوران نمازِ فجر کا وقت آگیا۔ عالمگیر محوِ نماز تھے کہ ایک شیر ببر نے ان کے کندھوں پر اپنے پنجے رکھے اور گویا دعوتِ مبارزت دی۔ آپ نے نماز جاری رکھی، اور فراغت پاکر شیر کو شمشیر کے ایک ہی وار سے اس طرح دو نیم کر دیا کہ گویا اس کی آمد کوئی غیر معمولی واقعہ تھا ہی نہیں۔ اورنگ زیب کی یہ غیر معمولی دلیری اور بے باکی "توحید و اقعی" کو دل میں جگہ دینے کی مرہونِ منّت تھی ؎

دستِ شہ نادیدہ خنجر برکشید　　شرزہ شیرے را شکم از ہم درید

۱۸؎ جاوید نامہ ص ۲۲۶-۲۲۷

۱۹؎ قرآن مجید ۳۹ : ۵۳　۲۰؎ ایضاً ۹ : ۴۰　۲۱؎ ایضاً ۲ : ۳۸　۲۲؎ ایضاً ۲۰ : ۶۸

دل بخود راہے نداد اندیشہ را | شیرِ قالین کرد شیرِ بیشہ را
باز سوئے حق رمید آں ناصبور | بود معراجش نماز با حضور
ایں چنیں دل خود نما و خود شکن | دارد اندر سینۂ مومن وطن
خوفِ حق، عنوانِ ایمان است وبس | خوفِ غیر از شرک پنہان است وبس[۲۳]

فرد و ملّت کی قوّت | اقبال کے اشارات اس امر کے مبیّن ہیں کہ آپ کا تصوّرِ توحید، فرد اور ملّت دونوں کے حیات آفریں قوی کا مبرہن و مشیّد ہے۔ توحید پرست فرد اپنی انا کو انائے مطلق کے تابع بناتا اور باصطلاح "تخلقوا باخلاق اللہ کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ وہ ان تمام نظامہائے کار سے برسرِپیکار رہتا ہے جن کی تعلیم توحید کے علی الرغم ہو۔ وہ دوسرے افراد کے ساتھ اپنے اختلافات کو نابود کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ اسے خودی کے بعد بیخودی کی فکر لاحق رہتی ہے۔ 'عالمی بیخودی' کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دنیا بھر کے فرزندانِ توحید کو جسدِ واحد سمجھے اور 'وطنیت' کے محدود جغرافیائی حدود و قیود کو حقوقِ مواخاۃ کی راہ کا مزاحم نہ بننے دے۔ اقبال نے فرد کی توحیدی قوت کے ان پہلوؤں پر اپنی تالیف "اسلامی مذہبی فکر کی تشکیلِ نو" میں مشہور ترک رہنما محمد سعید حلیم پاشا (م ۱۹۲۱ء) کے ذکر میں روشنی ڈالی ہے[۲۴]۔ اشعارِ اقبال میں سے ایک انتخاب ملاحظہ ہو۔

کسے کو لا الٰہ را در گرہ بست | ز بندِ مکتب و ملّا بروں جست
بایں دین و بہ آں دانش مپرداز | کہ از ما می بَرد چشم و دل و دست[۲۵]
لا الٰہ گوئی؟ بگو از روئے جاں | تا ز اندامِ تو آید بوئے جاں
ایں دو حرفِ لا الٰہ گفتار نیست | لا الٰہ جز تیغِ بے زنہار نیست
زیستن با سوزِ او قہاری است | لا الٰہ ضرب است و ضربِ کاری است[۲۶]
تا نہ رمزِ لا الٰہ آید بدست | بندِ غیر اللہ را نتواں شکست

---

[۲۳] اسرار و رموز صفحہ ۱۱۳-۱۱۴

[۲۴] PP. 153, 156

[۲۵] ارمغانِ حجاز صفحہ ۱۵۳ — [۲۶] جاوید نامہ ص ۲۳۴

با تو می گویم ز ایامِ عرب
تا بدانی پختہ و خامِ عرب

ریز ریز از ضربِ او لات و منات
در جہات آزاد از بندِ جہات

عالمے در آتشِ او مثلِ خس
ایں ہمہ ہنگامہ لَا بود و بس

لوحِ دل از نقشِ غیر اللہ شُست
از کفِ خاکش دو صد ہنگامہ رُست

اَے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن
نعرہ لَا پیشِ نمرودی بزن[۲۷]

قوم چونکہ افراد کا مجموعہ ہے اور ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ[۲۸]

اس لیے توحید کے صوری و معنوی تقاضے پورے کرنے والے افراد پر مشتمل "قوم" کی قوتوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ موحد قوم کے اوصاف اقبال نے یہ گنائے ہیں ؎

ملّت از یک رنگیٔ دلہاستی
روشن از یک جلوہ ایں سیناستی

قوم را اندیشہ ہا باید یکے
در ضمیرش مدعا باید یکے

جذبہ باید در سرشتِ اُو یکے
ہم عیارِ خوب و زشت او یکے

گر نباشد سوزِ حق در سازِ فکر
نیست ممکن ایں چنیں اندازِ فکر[۲۹]

توحید کا دُور رس نتیجہ از رُوے اسلام، اتحادِ عالمِ اسلامی ہے۔ اقبال اسی خاطر "پین اسلازم" کے اتنے زبردست مدعی[۳۰] اور "وطنیت" کے خلاف تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجرت کا واقعہ بھی اقبال کی نظر میں "وطنیت" کو لغو قرار دینے کی ایک کڑی تھی[۳۱]۔ اسی "ہجرت" پر عمل کرکے مسلمان گوشہ ہاتے عالم میں درسِ توحید کی نشر و تولید کرتے رہے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اِک ثمر

ایک ہوں مُسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

۲۷؎ پس چہ باید کرد مع مسافر ص ۲۰-۲۲ ۲۸؎ ارمغانِ حجاز ص ۲۳۰ ۲۹؎ اسرار و رموز ص ۱۰۵۔

۳۰؎ دیکھیے راقم الحروف کا مقالہ: THE INTERNATIONAL MUSLIMNEWS KARACHI, MARCH 1970.

۳۱؎ اسرار و رموز ص ۱۲۱۔

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا — نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی [۳۲]

جوہرِ ما با مقامے بستہ نیست — بادۂ تندش بجامے بستہ نیست
ہندی و چینی سفالِ جامِ ماست — رومی و شامی گلِ اندامِ ماست
قلبِ ما از ہند و روم و شام نیست — مرز و بومِ او بجز اسلام نیست
مسلم استی؟ دل باقلیمے مبند — گم مشو اندر جہانِ چون و چند
می نگنجد مسلم اندر مرز و بوم — در دلِ او یاوہ گردد شام و روم [۳۳]

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم — چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است — کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم [۳۴]

وطن پرستی اور دیگر افتراقی امور چونکہ توحید کے عملی پہلوؤں کے منافی ہیں، اس لیے اقبال نے اپنی تعریفی اور انتقادی گفتگو میں غیر معمولی شدت اختیار کی ہے۔ عربوں کے نفاق و افتراق پر "جاوید نامہ"[۳۵] اور مثنوی "پس چہ باید کرد"[۳۶] میں اقبال کے اشکوں کی سیرابی دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں مثنوی "اسرار و رموز" میں سے چند ابیات نقل کیے دیتے ہیں ؎

آں چناں قطعِ اخوت کردہ اند — بر وطن تعمیرِ ملت کردہ اند
تا وطن را شمعِ محفل ساختند — نوعِ انساں را قبائل ساختند
جنتی جستند در بئس القرار — تا احلوا قومہم دار البوار [۳۷]

تو بہ پروازی پری نکشودہ ای — کرمک استی زیرِ خاک آسودہ ای
خوار از مہجوریِ قرآں شدی — شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
تا کجا در خاک می گیری وطن؟ — رخت بر دار و سرِ گردوں فگن [۳۸]

تصورِ توحید کی جامع تشریح | علامہ نے سورۂ اخلاص کی چاروں آیات کی سیر حاصل تفسیر منظوم صورت میں بیان فرمائی ہے۔ سورۂ اخلاص از ابتدا تا انتہا "توحید" کے مباحث پر مشتمل ہے اور اخترا ما

---

۳۲ بانگِ درا، ص ۳۰۱، ۳۰۸ ۳۳ اسرار و رموز ص ۱۲۹-۱۳۰ ۳۴ پیامِ مشرق صفحہ ۵۲

۳۵ فلکِ زہرہ ۳۶ عنوان: حرفے چند با ملتِ عربیہ ۳۷ قرآن مجید ۱۴: ۲۸-۲۹ ۳۸ اسرار و رموز ۱۹۳

"ثلثِ قرآن" کہی جاتی ہے۔ اقبال نے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زبانی "خلاصہ مطالب مثنوی" تفسیر سورۂ اخلاص کی صورت میں پیش کیا اور "توحید کے کلامی اثرات" کو نمایاں کیا ہے ؎

من شبے صدیقؓ را دیدم بخواب — گل ز خاکِ راہِ او چیدم بخواب
آں اَمَنّ[39] النّاسِ بر مولائے ما — آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما
ہمتِ او کشتِ ملت را چو ابر — ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر
گفت، تا کے در ہوس گردی اسیر؟ — آب و تاب از سورۂ اخلاص گیر
اینکہ در صد سینہ پیچد یک نفس — سرّے از اسرارِ توحید است و بس
آنکہ نام تو مسلماں کردہ است — از دوئی، سوئے یکے آوردہ است
صد ملل از ملتے انگیختی — بر حصارِ خود شبے خوں ریختی
یک شو و توحید را مشہود کن — غائبش را از عمل موجود کن

تفسیر سورۂ اخلاص، تصورِ توحید کی جامع تشریح کی متحوی ہے مگر اس مختصر شذرے میں ہم زیادہ شواہد پیش نہیں کر سکتے۔ موضوع زیرِ بحث کی مناسبت سے چند منتخبہ ابیات پیش کرنا البتہ باصواب نظر آتا ہے ؎

قومِ تو از رنگ و خوں بالاتر است — قیمتِ یک اسودش صد احمر است
قطرۂ آبِ وضوئے قنبریؓ — در بہا برتر ز خونِ قیصری
فارغ از باب و اُم و اعمام باش — ہمچو سلمانؓ "زادۂ اسلام" باش
ہر کہ پائے او در اقلیم وجدّ است — بے خبر از "لم یلد، لم یولد" است!
رشتۂ با "لم یکن" باید قوی — تا تو در اقوام بے ہمتا شوی!
آنکہ ذاتش واحد است و لاشریک — بندہ اش ہم در نسازد با شریک
مومنِ بالائے ہر بالا ترے — غیرتِ او بر نتابد ہمسرے

۳۹۔ حدیثِ رسولؐ: "اَمَنَّ النَّاسِ علیَّ فی صحبتہٖ ومالِہٖ ابوبکرؓ"۔ (اپنی معیت اور مال کے ذریعے ابوبکرؓ نے مجھ پر تمام لوگوں سے زیادہ احسان کیا ہے)۔

حرفِ لَا تَحْزَنُوْا اندر برش | اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ[۱۳۹] تاجے بر سرش

عفو و عدل و بذل و احسانش عظیم | ہم بہ قہر اندر مزاجِ او کریم

یہ اقتباس اس امر کا غماز ہے کہ موحدین کو اپنی نسبت بر حق کا خیال رکھنا چاہیے۔ وہ خدائے واحد کی ذات کا ھُو بصفاتہٖ پر ایمان رکھتے ہیں ۔ وہ امتِ عادل ہیں جو کہ شہداء علی الناس کے معزز لقب کی حامل ہے ۔ ان کے اعمال و افعال، ان کے عقیدہ کا مظہر ہونا ضروری ہے ورنہ بے عمل عقیدہ چہ معنی دارد؟ اگر وہ قول و فعل اور عقیدہ و عمل کے لحاظ سے متحد و متفق نہ ہوں، تو اپنے دعوٰیِ توحید کے ضعف و اضمحلال کا دفاع نہیں کر سکیں گے ۔ اقبال اسی لیے یہ قیامت خیز پیغام دیتے ہیں کہ:

خاور ہمہ مانند غبارِ سرِ راہے است | یک نالۂ خاموش و اثر باختہ آہے است

ہر ذرّۂ ایں خاک گرہ خوردہ نگاہی است | از ہند و سمرقند و عراق و ہمدان خیز

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

از خوابِ گراں خیز[۱۴۱]

ظاہر ہے کہ موجودہ حالات میں عالمِ اسلام انفرادی اور اجتماعی طور پر، توحید کے تقاضے پورے کرنے سے علی العموم صرفِ نظر کیے ہوئے ہے اور نتیجۃً اس کی برکات سے محروم ہے ۔

بس چہ باید کرد؟ | اقبالؒ نے مسلمانوں کو "حفظ و نشر توحید" کی انفرادی اور اجتماعی ضرورت اور فریضے سے عہدہ برآ ہونے کی دل سوز تلقین کی ہے ۔ یہ تلقین، قرآن مجید کی تعلیمات کے عین مطابق ہے تبلیغِ حق و اسلام، فرضِ کفایہ ہے اور توحید اس فرضِ کفایہ کا سر آغاز ہے ۔ اقبال نے اسی مناسبت سے تبلیغِ توحید کی ضرورت کا احساس دلانے کی خاطر ایک پورا "باب" معین کیا اور آپ کی دل سوزی اور جگر خواری درجِ ذیل اشعار سے مترشح ہے :

نقطۂ ادوارِ عالم لا الٰہ | انتہائے کارِ عالم لا الٰہ

زانکہ در تکبیر راز بودِ تست | حفظ و نشر لا الٰہ مقصودِ تست

---

[۱۳۹] قرآن مجید ۳ : ۱۳۹ [۱۴۱] زبورِ عجم ص ۱۱۷ [۱۴۲] قرآن مجید ۲ : ۱۴۳ ؎ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط

تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے گر مسلمانے، نیا سائی دمے[43]
می ندانی آیۂ ام الکتاب "امتِ عادل" ترا آمد خطاب
آب و تاب چہرۂ ایامِ تو در جہان شاہد علی الاقوام تو
نکتہ سنجان را صلائے عام دہ از علومِ امّیے پیغام دہ
امّیے پاک از ہوئی گفتارِ او شرحِ رمزِ ما غوی گفتارِ او
جلوہ در تاریکی ایام کن آنچہ بر تو کامل آمد عام کن

مشہور اقبال شناس مفکر، ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم نے ان ہی اشعار پر بحث کرتے ہوئے بڑا صائب مشورہ دیا ہے کہ توحید کو اسلامی تعلیم کی نشق میں جملہ مسلمان ممالک کے نصابِ تدریس میں نمایاں جگہ دی جائے[44] مسلمانوں کے موجودہ افتراق و نفاق کو دور کرنے، ان میں انفرادی اور اجتماعی طور پر روح تازہ پیدا کرنے اور عالمِ اسلام کے بحران پر قابو پانے کی خاطر "رجوع الی التوحید" کی ظاہر ایک تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔ عرب ہوں کہ پاکستانی، ترک ہوں کہ افریقہ کے "مومنانِ مشک فام"، سب کے امراض کا بڑا سبب "داخلی" اور "خارجی" افتراق و نفاق کی لعنت ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے مسلمان مشاہیر میں سید جمال الدین افغانی (م ۱۸۹۷ء)، مفتی محمد عبدہٗ مصری (م ۱۹۰۵ء)، محمد سعید حلیم پاشا[45] اور علامہ اقبال نے اسی مرض کے ازالے کی خاطر درسِ اتحاد دیا ہے۔ مؤخر الذکر نے اسے کلامی رنگ میں جلوہ گر کیا تاکہ مسلمان اسے عقیدے کے ساتھ ساتھ عمل کی کسوٹی پر پرکھ سکیں اور خدا کی اس موہبتِ کبریٰ کا شکر کریں کہ

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے حرم کا راز توحیدِ اُمم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے[46]

اگر مسلمان توحید کی برکات سے مستفیض ہو کر، دوسروں کی خاطر اتحاد و ائتلاف و یک جہتی کا نمونہ بن سکیں، تو وہ خصوماتِ جہاں میں "حکم و منصف" کے فرائض انجام دے سکیں گے۔ اس

---

[43] حکمتِ اقبالؒ لاہور ۱۹۶۹ء، عنوان "توحید" [44] دیکھیے راقم کا مقالہ: سہ ماہی اقبال، لاہور اکتوبر ۱۹۷۱ء
[45] ایضاً سہ ماہی اقبال ریویو، کراچی، جولائی ۱۹۷۱ء - [46] بالِ جبریل صفحہ ۱۱۷-

طرح ان کا "مرکز اساس" (مکّہ معظمہ)، "جمعیّتِ آدم" کا مرکز قرار پائے گا اور جنیوا یا نیو یارک کو کوئی پوچھے گا بھی نہیں ؎

اِس دَور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام | پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم
تفریقِ ملل، حکمتِ افرنگ کا مقصود | اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم
مکّے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام | جمعیّتِ اقوام کہ جمعیّتِ آدم؟[۴۷]

اِس وقت دنیا کے دردمند مفکّر، عالمی برادری کی بنیادیں تلاش کرنے میں منہمک ہیں[۴۸] چونکہ معدُودے چند اقوام کو چھوڑ کر، دنیا کی اکثر قومیں اپنے زعمات کے مطابق "توحید" کا ادّعا رکھتی ہیں، اس لیے اگر خود مسلمان توحید پر کما حقہٗ عامل ہو جائیں ۔ (اقبال کے تصورِ توحید کی وسعت کے مطابق)، تو لوگوں کو عالمی برادری کی بنیادیں تلاش کرنے کی زحمت نہ ہوگی کیونکہ اسلام ؎

نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ اُو رحمۃٌ للعالمیںؐ[۴۹]

---

[۴۷] ضربِ کلیم ص ۵۴ - ۵۵ [۴۸] دیکھیے ورلڈ فیتھ (انگریزی) صفحہ ۱۷۴ تا ۱۸۰
[۴۹] مثنوی اسرار و رموز صفحہ ۱۴۰ -